DR. ABID RAZA BEDAR
KATRA, RAMPUR - 244901 (U.P.)

Date of Publication : 09-09-2015

PRICE Rs. 3/-

POSTED AT N.D.P.S.O, New Delhi-01
ON 10-11 Sep. 2015, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2015-17
Licensed to Post Without PrepaymentU (C) 160/2015-17

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

15-21 September 2015

Issue: 35. Vol.: 74

۱۵ تا ۲۱ ستمبر ۲۰۱۵ء

شمارہ نمبر: ۳۵، جلد نمبر: ۷۴

بچوں کے ادب کے چند امتیازی پہلو

علی احمد فاطمی

اردو زبان و ادب کا ایک پہلو نقصان وہ بلکہ تکلیف دہ حد تک یہ بھی رہا کہ انداز کا رہا کہ مدتوں اور غالباً آج بھی اردو ادب کا مطلب اردو شاعری اور اردو شاعری کا مطلب غزل کی شاعری ہی لیا جاتا ہے۔ اس نامناسب اور مبہم تصور کا غلبہ کچھ اس حد تک رہا کہ مدتوں ہم نے صنف نظم کو اہمیت نہیں دی۔ مثنوی، قصیدہ بھی پس منظر میں چلے گئے۔ یہی صورت کم و بیش نثر میں بھی رہی۔ داستانیں مقبول تو ہوئیں اور عوام و خواص کی سطح پر غیر معمولی شہرت بھی ملی لیکن عرصۂ دراز تک انھیں معیاری اور حقیقی ادب کا حصہ نہیں سمجھا گیا۔ دل بہلاوے اور وقت گزاری کا سامان ہی سمجھا جاتا رہا۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے، نقادوں و عالموں نے ادب کی جو بوطیقا بنائی اس کا تعلق شاعری سے ہی رہا اور انھوں نے شاعری کے جو بھی معیار و اقدار قائم کیے تصور میں غزلیہ شاعری ہی زیادہ رہی اور غزل کو ہی معیاری شاعری سمجھا جاتا رہا۔ اسی لیے مدتوں اور تھوڑا بہت آج بھی ہم نے اپنے البیلے و چھبیلے عوامی شاعر نظیر اکبرآبادی کو سوقیانہ شاعر کہہ کر اس کے عظیم اور انوکھے سرمایے کو وہ مقام و منصب نہیں دیا جس کا کہ وہ حقدار تھا۔ غیر معمولی شاعر انیس کو بھی رثائی ادب کے خانے میں ڈال کر مرثیہ گو شاعر کہتے رہے اور صرف میر و غالب، مومن، درد وغیرہ کی غزلیہ شاعری پر سر دھنتے رہے۔ ان غزل گو شعرا کی عظمت سے کسے انکار لیکن نظیر اور انیس بھی منفرد و غیر معمولی شاعر ہیں اور یہ ان کا غیر معمولی پن ہی ہے جس نے گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ اپنا لوہا منوالیا، ورنہ اردو کی معیاری تہذیب و تنقید کبیر، رحیم، جائسی وغیرہ کی طرح انھیں بھی دوسری زبانوں کے حوالے کرکے اپنا بے پناہ قیمتی سرمایہ کھو بیٹھتی۔ نظیر اکبرآبادی پر ہی مضمون لکھتے ہوئے ممتاز ناقد احتشام حسین نے بلیغ بات کہی ہے: ''اردو تہذیب کی اس معیار پرستی سے جہاں کچھ فائدے ہوئے ہیں اچھے خاصے نقصانات بھی ہوئے ہیں''۔

ملاحظہ کیجیے جب ہم نے مدتوں نظیر، انیس، اکبر، جوش وغیرہ کو قابل ذکر نہیں گردانا تو ایسے میں بچوں کی شاعری یا بچوں کے ادب کو ہم کیا نام اور مقام دے پاتے، اسے تو ہم نے بچکانہ شاعری ہی سمجھا۔ سچ یہ ہے کہ ہماری شعریات نے، ہمارے معیاری نقادانِ ادب نے بچوں کا ادب، عوامی ادب، احتجاجی ادب، رثائی ادب وغیرہ پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ نہ اس کی اہمیت سمجھی اور نہ اس کے معیار و تصورات پر گفتگو کی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو میں کسی بڑے ناقد یا مستند اسکالر کی کوئی کتاب بچوں کے ادب سے متعلق نہیں ملتی یا کم ملتی ہے جب کہ فطری انداز سے ابتدا سے ہی بچوں کے لیے شاعری ہوتی رہی۔ کہانیاں، لوریاں لکھی جاتی رہیں۔ ان میں معیار بھی ہے اور مقدار بھی۔ نہیں ہے تو اس پر کوئی بڑی تنقیدی و تحقیقی کتاب — جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اول تو اس صنف یا موضوع پر توجہ ہی کم دی گئی اور جو تھوڑی بہت جانچ پرکھ ہوئی تو وہ قائم شدہ اکلوتی شعریات کے سیاق میں اس لیے غلط بحث ہوتا رہا اور غلط و نامناسب نتائج قائم ہوتے رہے — لیکن آفریں ہے ان فنکاروں پر جو ان جا و بے جا مباحث سے بے نیاز ہو کر بچوں کے لیے شاعری کرتے رہے۔ کہانیاں، ڈرامے لکھتے رہے اور قوم کے نونہالوں کو باتوں باتوں میں، کہانی کہاوتوں میں نرم و نازک لیکن بیش قیمتی تعلیم و تربیت دے کر ایک بڑا انسانی و اخلاقی فریضہ انجام دیتے رہے۔ خواہ وہ ادبی فریضہ انجام ہوا ہو یا نہ ہوا ہو — لیکن یہ کون طے کرے گا۔ شاعری کی تنقید یا آج کی تنقید، جس کے بارے میں حسن عسکری نے اچھی بات کہی ہے: ''آج کی تنقید ادب کی تنقید نہیں ہے یہ تنقید کی تنقید ہے''۔

سب جانتے ہیں کہ بچوں کے اور بالغوں کے ادب میں فرق ہوا کرتا ہے اس لیے کہ بچے کا ذہن معصوم، سادہ اور ناتجربہ کار ہوتا ہے۔ کچھ لوگ انھیں فرشتہ خصلت بھی کہتے ہیں۔ ہوشیاریوں، چالاکیوں اور گناہوں سے پاک و صاف ذہن کی بھی ایک مخصوص سطح۔ نفسیات بھی بے حد معصوم و پاکیزہ، جس میں بے دم تحیر و تجسس کا مادہ کارفرما ہوتا ہے۔ ایسے میں اس کے ماں باپ، بھائی بہن کی محبت چاہت، گھر اور گرد و پیش کا ماحول فطری انداز سے اس کی تربیت کرتا ہے۔ اس کے تجسس آمیز اور سوال انگیز ذہن و نظر کو دیکھتے ہوئے دادی نانی ایسے قصے کہانیاں، لوریاں سناتی ہیں جس میں اس کی دل چسپی، انہماک اور اشتیاق پیدا ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک درس بھی اور درک بھی خیر، شر، نیکی و بدی، اخلاق و محبت کا غیر محسوس، غیر معلوم سبق اور درس — بس یہ نزاکت، معصومیت اور غیر محسوسیت ہی بچوں کے ادب کی اساس ہے جو اس کی نازک و معصوم نفسیات کے تاروں کو مرتعش کرتی ہے اور یہ ارتعاش بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ مزید اشتیاق و اضطراب میں بدلتا چلا جاتا ہے۔ وہ بہت کچھ جاننا چاہتا ہے، معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے اسی سوالیہ نفسیات کے ساتھ اس کے جسم کے متوازی اس کے ذہن کی نشوونما ہوتی ہے اور ذہن گھر سے باہر نکل کر باہر کی دنیا کو دیکھنا اور سمجھنا چاہتا ہے۔ وینیز سینیڈ فورڈ نے لکھا ہے:

"The child becomes interested in outer world and wants to hear other people and other lands."

جیسے جیسے وہ باہر کی دنیا میں جھانکتا ہے اسے خوشی، محبت، حیرت، دکھ وغیرہ کا لاشعوری گیان حاصل ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایسے میں اگر اس کے پاس اس کے مذاق و مزاج کے اعتبار سے اچھی کہانیوں کی کتاب، اچھی شاعری، ڈرامے وغیرہ پڑھنے کو ملیں تو یہ ساری چیزیں اس کے متجسس ذہن کو راہ دکھاتی ہیں۔ اچھے اور بُرے، غلط و صحیح کی تمیز کرواتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں بڑی بڑی بات سمجھ میں آنے لگتی ہے۔ کبھی کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ اگر صحیح تعلیم و تربیت اور ماحول نہ ہو تو بچے کو بھٹکنے میں دیر نہیں لگتی۔ ساحر لدھیانوی نے کہا تھا

انساں جب تک بچہ ہے تب تک سمجھو سچا ہے
جوں جوں اس کی عمر بڑھے من پر جھوٹ کا میل چڑھے
کرودھ بڑھے نفرت گھیرے، لالچ کی عادت گھیرے
بچپن ان پاپوں سے ہٹ کر اپنی عمر گزارے
(بچے من کے سچے)

عمدہ بچوں کا ادب اسی موڑ پر اسی راہ پر عظیم کارنامے انجام دیتا ہے۔ ذہن کی تعمیر و تشکیل کرتا ہے۔ غلط و صحیح کی تمیز، جھوٹ و سچ کا شعور پیدا کرتا ہے۔ ایک بالغ ذہن کے لیے بلیغ ادب پیدا کرنا مشکل کام تو ہے لیکن ایک نابالغ ذہن کے لیے فصیح اور پُر تاثیر اور بامعنی،

با مقصد ادب پیدا کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل اور بڑا کام ہوا کرتا ہے۔ فصاحت اور پُر تاثیریت کے ناگزیر عناصر اس لیے اہم ہیں کہ بچوں کی کم عمری اور معصومیت کے پیش نظر بچوں کے ادب میں زبان اور سادگی زبان کی بڑی اہمیت ہوا کرتی ہے۔ دلکش اور پُرکشش انداز بیان اور اگر ساتھ میں جاذب نظر تصویریں بھی ہوں تو کیا خوب۔ یہ سب کے سب بچوں کو بے حد متاثر اور متوجہ کرتے ہیں۔ بچوں کے معروف ادیب شفیع الدین نیر نے ایک جگہ لکھا ہے:

"جو ادب چار یا پانچ سال کی عمر سے تیرہ چودہ برس تک کے بچوں کے لیے مخصوص ہوا سے ہم بچوں کے ادب سے تعبیر کرتے ہیں۔ بلاشبہ بچوں کے ادب کو بھی ان اقدار اور خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے جس میں کسی بھی جذبے کی صداقت، زبان کی لطافت اور بیان کا حسن شامل ہے"۔

(بحوالہ اردو میں بچوں کا ادب، از خوشحال زیدی)

برٹانیکا جونیئر انسائیکلوپیڈیا میں ادب اطفال کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"By children litrature, is meant three kinds of writings important in the lives of young people as they grow up. In the first place the term includes all of the different kinds of stories. Written specially, for boys and girls... secondly it refers to traditional or folk litrature. The collection of fairy tales. Finally, it includes the books written for adults which chileren have claimed as their own."

(Vol. IV. p. 249)

انسائیکلوپیڈیا کے علاوہ انگریزی، ہندی ادب میں بچوں کے ادب پر عمدہ تنقیدی، تحقیقی کتابیں لکھی گئی ہیں اس کے مقابلے میں اردو زبان و ادب میں کم کام ہوا ہے۔ مرحوم ڈاکٹر خوشحال زیدی صاحب نے بچوں کے ادب پر خاصا کام کیا ہے۔ وہ مختلف زبان و ادب کی مثالیں اور تعریفیں کرنے کے بعد یہ بھی کہتے ہیں:

"بچوں کے ادب میں پریوں اور جادو کی کہانیاں، نظمیں اور گیت، اخلاقی مضامین، اسکول اور کھیل کا جہان اور سیر و سیاحت کی کہانیاں سب ہی کچھ ملتا ہے اور اسی کو بچوں کا ادب مانا گیا ہے۔ مگر اس بات کا قطعی فیصلہ نہ تو اساتذہ نہ ہی والدین نہ ادیب اور نہ شاعر ہی کر پاتے ہیں کہ یہی بچوں کا ادب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بات کا فیصلہ تو بچے ہی کر سکتے ہیں کہ ان کا ادب کیا ہو اور کیسا ہو؟ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ کس قسم کی کتب پسند کرتے ہیں؟ بچوں کا ادب کیسا ہونا چاہیے"۔

(بچوں کا ادب، اکیسویں صدی کی دہلیز پر، ص ۱۵)

ادب خواہ کسی مزاج و معیار کا ہو اس کی حتمی تعریف کرپانا مشکل ہوتا ہے۔ بچوں کے ادب کے لیے یہ مشکل کچھ اور بڑھ جاتی ہے اس لیے کہ ہر ملک کی تاریخ، تہذیب، ثقافت، معاشرت قدرے مختلف ہوا کرتی ہے۔ بچے اپنے گھر، علاقہ، شہر کے ماحول میں پروان چڑھتے ہیں، بولی سیکھتے ہیں، تمیز و تہذیب سیکھتے ہیں، غیر شعوری طور پر اخلاقیات کا درس بھی حاصل کرتے چلتے ہیں، وہ انہیں اس ماحول سے ملتا ہے جس سے وہ مانوس ہوتے ہیں۔ اسی زبان کو سمجھتے ہیں جو ان کے اردگرد بولی جاتی ہے۔ ایک پرانی لوری کا یہ بند دیکھیے:

چندا ماما دور کے
بوئے پکائے بور کے
آپ کھائیں تھالی میں
منے کو دیں پیالی میں
پیالی گئی ٹوٹ
منا گیا روٹھ
نئی پیالی لائیں گے
منے کو بہلائیں گے
چندا ماما دور کے

اب اس میں چندا ماما یعنی چاند کو ماما یا ماموں کہنے کی ترغیب ہندوستان کی ذہنی و انسانی تہذیب سے ماخوذ ہے جو صدیوں کی روایت کی امین ہے اس لیے کہ اس میں رشتے کی سمجھ ہے اور محبت و اپنائیت کی بھی اور دور کی چیز کو قریب سمجھنے کا دلچسپ ذہنی فینٹیسی بھی اور کھیل بھی۔۔۔ اسی طرح تھالی اور پیالی کی مانوس صورت اور الفاظ اور سب سے بڑھ کر لگتا ہے جس سے بچہ از حد واقف اور مانوس ہے اور اس میں اپنے آپ کو دیکھتا اور سمجھتا ہے، یہ وہ ساری کیفیتیں ہیں جو بچوں کو فطری انداز سے گرفت میں لے لیتی ہیں اور لاشعوری طور پر فکر و فلسفہ و منطق کو ان کے نرم و نازک ذہن میں بساتی چلی جاتی ہیں۔ اسی طرح حفیظ جالندھری کی نظم "چڑیا"۔ چڑیا بچوں کا حسین پسندیدہ پرندہ ہے اور منظر بھی، اس کی پرواز تو اور بھی دلکش جس کے ساتھ بچوں کا من بھی پرواز کرتا ہے۔ یہ بند دیکھیے:

آ جا ری چڑیا
آ جا ری چڑیا
منڈیر پر کیوں
کرتی ہے چوں چوں
آ جا تجھے میں
دانہ کھلاؤں
روٹی کے ٹکڑے
چھت پر بکھیروں
لے اپنی کھا جا
کھا جا ری چڑیا
آ جا ری چڑیا

چڑیا، چوں چوں، منڈیر، چھت، روٹی اور سب سے بڑھ کر چڑیا کو بلانا بچوں کے لیے اشتیاق و استعجاب سے پُر عمل ہے اس لیے کہ چڑیا بچوں کا محبوب و پُرکشش پرندہ ہے۔ اس کا چونا چگنا رہنا، پھدکنا اور پھر پلک جھپکتے میں نظر سے اوجھل ہو جانا بچوں کو از حد متوجہ کرتا ہے اور حیرت میں ڈالتا ہے۔ اسی لیے دادی نانی اکثر چڑیوں چڑوں کے قصے سنا کے ہی بچوں کو بہلاتی پھسلاتی اور سلاتی ہیں اس لیے کہ وہ ان کی حیرت و مسرت کے بہت قریب ہوتی ہیں۔ غالباً اسی لیے اردو میں پرندوں و جانوروں پر کہی ہوئی نظمیں بچوں کے ادب میں خاصی اہمیت رکھتی ہیں۔ اقبال کی نظم 'پرندہ اور جگنو'، حفیظ کی 'چڑیا'، واقف جونپوری کی 'چڑے کی فریاد'، عشرت رحمانی کی 'توتا' وغیرہ۔ ابن انشاء کی نظم 'مرغی' کا یہ بند دیکھیے:

کھاتی ہے دانے
دیتی ہے انڈے
سنڈے کے منڈے
(اونی مرغی)

حفیظ جالندھری کی ایک اور نظم "بول مرغے ککڑوں کوں"۔ اب اس میں ککڑوں کوں کی جو آواز ہے بچے اس سے کس قدر جلد متاثر ہو جاتا ہے اور اس کی یہ سحر انگیزی اس کے مزاج و مذاق کے در کھولتی ہے، غور کرنے پر مجبور کرتی ہے اور اگر ذوق و شوق ہم آہنگ ہو جائے تو بچوں کی ذہنی نشوونما فطری انداز سے ہوتی ہے اور یہی تو اصل فن اور انداز فن بچوں کے ادب کی تخصیص ہے۔

آپ یہ سن کر شاید حیرت میں پڑ جائیں کہ اردو کے مشہور جدید نقاد شمس الرحمٰن فاروقی نے بھی بچوں کے لیے شاعری کی ہے۔ ان کی ایک نظم ہے 'مور نامہ' اس کا یہ بند دیکھیے:

اس جنگل میں مور بہت ہیں
دن بھر موروں کی جھنکار
اوپر نیچے چیخ پکار
یہ تو کرتے شور بہت ہیں
نیلے پیلے مور بہت ہیں

ایک اور نظم 'کتا بلی' بھی ہے، اس کا ایک بند ملاحظہ کیجیے:

ایک تھا کتا ایک تھی بلی
بلی تھی وہ بڑی چبلی
نہ تھا وہ کتا کم چالاک
سیدھی دم تھی بکھری ناک
بلی نے دو چوہے پکڑے
کتے نے دو چوزے پکڑے
کتے کے تھے لمبے کان
تھی سب کی خالہ جان

کاش کہ فاروقی صاحب اس سلسلے کو اور آگے بڑھاتے۔

نظیر اکبرآبادی، حالی، اسماعیل میرٹھی وغیرہ نے بچوں کے لیے بے مثال نظمیں کہی ہیں، اسماعیل میرٹھی تو بچوں کی شاعری کے بادشاہ کہے جاتے ہیں۔ ان کی نظم 'گائے' غیر معمولی شہرت کی حامل ہوئی اور یہ مصرعے تو محاورے بن گئے:

رب کا شکر ادا کر بھائی
جس نے ہماری گائے بنائی

اور 'پن چکی' بھی جس کے یہ دونوں مصرعے بے حد مشہور ہوئے:

نہر پہ چل رہی ہے پن چکی
دھن کی پوری ہے کام کی پکی

اور اس کے آگے یہ کہنا کہ

علم سیکھو سبق پڑھو بچو
اور آگے چلو بڑھو بچو

بچوں کے ادب کی افادیت و مقصدیت کو ظاہر کرتا ہے۔

اس مختصر سے مقالے میں بچوں سے متعلق تخلیقی ادب کا تفصیلی جائزہ لینا مقصود نہیں بلکہ عرض مدعا یہ ہے کہ اردو ادب میں بچوں سے متعلق تخلیقی ادب کا سرمایہ خوب سے خوب تر ہے لیکن ہماری اردو تنقید و تحقیق نے اس سرمایہ اور اس کے فکر و فن پر مناسب اور معقول توجہ نہیں دی۔ اسے ہم نے غیر ضروری اور غیر معیاری سمجھا جب کہ دنیا کے ادب میں چائلڈ لٹریچر کی بے حد اہمیت سمجھی گئی ہے۔ سچ تو یہ بھی ہے کہ بچوں کی ضرورت، ان کی خواہش، نفسیات کو سمجھنا ایک نازک امر ہے۔ اکثر والدین بھی سمجھ نہیں پاتے چہ جائیکہ شاعر و ادیب جن کے تخیل کی پرواز، فکر کی اڑان ادب کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے لیکن بچوں کے ادب کی شرائط ہیں، اس کی حدیں ہیں۔ اس کی حد بندیت اور شرطیت ہی اکثر فنکاروں کو پریشان کرتی ہے لیکن یہی وہ منزل ہے جہاں سے بچوں کے ادب کی تخلیق ہوتی ہے۔ اکثر فنکار کو خود بچہ بننا پڑتا ہے۔ اسی مزاج، اسی زبان اختیار کرنی پڑتی ہے جو بہر حال ایک مشکل کام ہے۔ قدیم زمانے میں تو ایسا کوئی فرق نہیں تھا۔ بچوں کی کہانیاں، لوریاں، زبانی یاد تھیں جیسا کہ سید امیر علی نے لکھا ہے:

"اکثر ہر دل عزیز کہانیوں اور لوریوں کی ابتدا زبانی (Oral) طور پر ہوئی لیکن جب کوئی کہانی، لوری یا پہیلی بچوں کی ایک نسل سے زیادہ ہر دل عزیز ہوئی تو پھر کسی ادیب کو ان زبانی حکایتوں کو قلم بند کرنے کا خیال آیا جیسا کہ ہم خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ بچپن کی کتنی ساری کہانیاں اور نظمیں ہم نے کتابوں سے نہیں بلکہ بزرگوں سے سنی تھیں۔ اس لیے بچوں کا ادب کتابی شکل سے زیادہ حکایات کی شکل میں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا"۔

(بحوالہ اردو میں بچوں کا ادب از خوشحال زیدی، ص 82)

لیکن جیسے جیسے وسائل ترقی کرتے گئے ہم نئی روشنی کے چکاچوند میں ڈوبتے گئے۔ بچوں کے دل بہلاوے کے نئے نئے رخ سامنے آتے گئے۔ لیکن اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ لوک گیت، قصے، کہانیاں، حکایات وغیرہ کا ایک گراں بہا سرمایہ کل بھی ہمارے پاس موجود تھا اور آج بھی موجود ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو داستانیں قصے کہانیوں کے نئے نئے روپ سامنے نہ آپاتے۔ یہی حال مثنویوں اور منظوم حکایتوں وغیرہ کا ہے۔ لیکن بچوں کا ذہن اب بھی وہیں کا وہیں موجود ہے اس کا معصوم من سوچتا ہے آج بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ کل تھا۔ ممتاز افسانہ نگار غلام الثقلین کے ان جملوں پر اس نامکمل اور ناپختہ گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

قدیم اخبار

پندرہ روزہ 'آرٹ و کلچر اردو' بھوپال (۱۹۵۵ء)

تعارف و تحقیق

سید طلحہ نقشبندی القادری

پچھلے دنوں ہم ایک تحقیقی مضمون تحریر کررہے تھے کہ اسی سلسلے میں مشہور کتب خانہ خانقاہ نقشبندیہ، بالا پور (مہاراشٹر) میں موجود قدیم و نایاب اخبارات و رسائل اور مجلات کے فائل دیکھ رہے تھے۔ اخبارات کی فائل میں ہمیں 'آرٹ و کلچر اردو' بھوپال نظر آیا اور وہ بھی 'انجمن ترقی اردو مشاعرہ نمبر'، اس لیے ہمیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ 'ہماری زبان' کے قارئین کو بھی اس سے روشناس کرایا جائے تاکہ ہماری نئی نسل اس سے واقف ہوجائے اور اس طرح پرانی یادیں بھی تازہ ہوجائے۔

پندرہ روزہ 'آرٹ و کلچر اردو' کا جلد 2، شمارہ 10،11، ماہ اپریل 1955 کا عید و اردو مشاعرہ نمبر اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ درمیانی سائز کے عمدہ 38 صفحات پر مشتمل خوب صورت اور مختلف رنگوں سے سجا ہوا گل بیل بوٹوں کی بنا پر اس کا سرورق خوب صورت ہے۔ اس کے مدیر و مالک، پرنٹر و پبلشر ایم عرفان تھے جو سلوانی فیضواحمد ٹائپ ورکس لمیٹڈ بھوپال میں طبع کروا کر دفتر آرٹ و کلچر جہانگیرآباد بھوپال سے شائع کیا کرتے تھے۔ اور یہ ادارہ 'بزم فن و ادب' کا ترجمان پندرہ روزہ تھا۔ اس کی سالانہ قیمت پانچ روپے تھی اور اس کا رجسٹریشن نمبر 1203 تھا۔ اس شمارے یعنی اردو مشاعرہ نمبر میں لکھنے والے اور اس میں شائع اہم مضامین نثر و نظم یہ ہیں: 'ہم کہاں تھے ہیں' (حالات حاضرہ پر اداریہ) از ایم عرفان، 'غزل' از زہرہ محمود فلک، 'غزل' از شاہین بیگم الہ آباد، 'بھوپال کیسے بنا؟' (تاریخی سلسلہ نواب حیات الدولہ والی بھوپال کی کہانی خود انہی کی زبانی) از ایم عرفان، 'اندیشے' (منظوم) از قمر رئیس شاہجہاں پوری، 'اپنی زبان نہیں ہے' (منظوم) از سید محمد علی تاج، 'نگار اردو' (منظوم) از قمر رئیس شاہجہاں پوری، 'اردو پریس ہندوستان میں زبردست طاقت کا مالک ہے' (خطبہ صدارت تاریخی اردو مشاعرہ) از جناب شری لال صاحب صدر انجمن ترقی اردو بھوپال، 'انجمن ترقی اردو بھوپال کی سرگرمیاں' (ایک جائزہ) از ایم عرفان، 'اردو مشاعروں کی تاریخ میں سب سے درخشاں باب کا اضافہ' (مشاعرہ کی رپورٹ و روداد) از ایم اعرفان، (کنوینر مشاعرہ کمیٹی)، 'جام اردو' از استاد الشعرا حضرت منیر بھوپالی، 'ہندی کی مقبول زبان ہے اردو' از رمزی ترمذی بھوپالی، 'گلستان اردو' از سید محمد یوسف قیصر، 'عظمت اردو' از شیام سندر لال دشت، 'رباعیات' از گوہر جلالی، 'نشان اردو' از فخر الشعرا حضرت باسط بھوپالی، 'رباعیات' از ڈاکٹر شفا گوالیاری، 'عظمت اردو' از حضرت ذکری بھوپالی، 'نغمہ شوق' از وشواناتھ درد، 'جیلی اردو نظم' از ڈاکٹر وحیا تحوانی مسافر (مشہور سندھی شاعر)، 'اردو سے خطاب' از ارشد صدیقی، 'اردو' از سید احمد علی جاوید، 'اے میری اردو زباں' از پروفیسر شہاب اشرف، 'دفتر ہندوستان' از اکرام الشعرا، 'ہماری زبان' از عشرت قادری، 'اردو زبان' از مجتبیٰ سلیم تیموری، 'اہل زبان سے پوچھو' از جہاں قدر قمر چغتائی، 'اے زبان' از سید عسکری دیکل منگری، 'ترانہ اردو' از محفوظ منظر، 'اردو زبان کی قسم' از راجیندر دیپک، 'حکایات اردو' از عزیز گوالیاری، 'اے میری اردو زبان' از فاروق عندلیب تیموری، 'اردو زبان میں' از سید منظور الحق منظور، 'منائے نہ مٹے گی' از اکرم محمد خان اکرم، 'دو اردو' از شمیم انور۔

کچھ تخلیقات جو مشاعرے کے لیے موصول ہوئیں لیکن پڑھی نہ جاسکیں: 'اردو کی کس مپرسی پر' از محوی صدیقی لکھنوی، 'ایک مشترکہ ورثہ ہے اس ملک کا اردو' از پروفیسر وجدی الحسینی، 'یہاں اردو وہاں اردو' از امین اللہ خاں امین، 'مبارک زبان' از خواجہ محی الدین شوق، 'اردو کی کہانی' از حضرت یکتا بھوپالی۔

اس اردو مشاعرہ نمبر میں بھوپال و مضافات کے معروف و گمنام مرحوم شعرا کا کلام اور ان کا مختصرا تعارف بھی شائع کیا گیا ہے۔ چوں کہ ان قدیم و معروف شعرا کا کلام معیاری و اعلا ہے، ہم ان کے اسمائے گرامی یہاں درج کررہے ہیں تاکہ آپ ان سے واقف ہوجائیں: 'غزل' از سراج میر خاں سحر (وفات 28 جون 1918)، 'غزل' از حضور ملا رمزی بھوپالی مرحوم، 'انقلاب زمانہ' (نظم) از منشی پربھو دیال شگو آزاد، متوفی 1953، 'غزل' از منشی ظہیر الدین کلیم، 'غزل' از محمد سلیمان خاں عرف اچھے صاحب نفیس شاگرد امیر مینائی۔ نفیس صاحب دیوان شاعر تھے جو پہلے عیسائی تھے بعد میں اسلام لائے۔ آپ کی تاریخ پیدائش 17 دسمبر 1807 اور وفات 3 اپریل 1940 ہے۔ آپ 1894 میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ 'غزل' از سید انور علی انور شاگرد داغ، وفات 8 جنوری 1943، 'غزل' از میر علی حسن خاں سلیم، وفات 1931۔

اب ہم ان شعرا کے اسمائے گرامی یہاں تحریر کررہے ہیں جن کا مختصرا لیکن معیاری کلام اس نمبر میں شائع کیے گئے ہیں: شیخ نورالحسن اخلاص مرحوم، منشی محمد شاہ عشقی، حافظ سید ممتاز علی حافظ، عالمگیر محمد خاں تحور، عزیز اللہ خاں عزیز، شیخ منیر الدین قمر، عاقل محمد خاں عاقل، محمد اسماعیل صاحب رخشاں، شریف میاں ظفری، لطیف محمد خاں برق، محمد کریم صاحب ذکی وارثی، سید محمود علی کاتب، جمیل احمد جمیل، واحد لالہ بھوپالی مرحوم، حاذق بھوپالی وغیرہ۔

تصاویر: قارئین، انجمن ادبا، شعرا اور مصنفین کی تصویریں شائع کی گئی ہیں ہم ان کے نام نامی یہاں تحریر کررہے ہیں۔ آج کے دور میں یہ تصاویر نایاب و کمیاب ہیں: ایم عرفان، رمزی بھوپالی، حضرت منیر بھوپالی، ساجن بھارتی، وحیا تحوانی مسافر، منشی پربھو دیال شگو آزاد، حامد سعید خاں حامد، حضرت باسط بھوپالی، عزیز گوالیاری، حضرت یکتا بھوپالی، گوہر جلالی، شفا گوالیاری، محمد یوسف قیصر، ذکری بھوپالی، وشواناتھ درد، قمر رئیس، اکرام الشعرا، ارشد صدیقی، حضرت قادری، حمید قریشی، فاروق عندلیب، محفوظ منظر، اکرام محمد خاں اکرم، میر علی حسن خاں سلیم، مولانا ابو سعید بزمی، پروفیسر شہاب اشرف، سید احمد علی جاوید، سلیمان خاں نفیس صاحب، اوشی کاوش، منظر، احسن منظور، شمیم انور، گوہر، ڈاکٹر پریم بھوپالی، شیخ محمد عسکری، جہاں قدر قمر چغتائی، تحور، آزاد نقوی، طالب قریشی، انجم [illegible]، ڈاکٹر حسین، سید محمد علی تاج، رشید اختر وغیرہ کی تصاویر اس شمارے کی شان بڑھا رہی ہیں۔

اگر کسی اہل ذوق کو اس مشاعرہ کا مطالعہ یا مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا ہو تو ہمارے پتے پر رابطہ کریں۔ ہمارا یہی مقصد ہے کہ نئی نسل ہمارے ان قدیم گمنام ادبا و شعرا سے واقف ہوجائے۔

کتب خانہ خانقاہ نقشبندیہ بالا پور، ضلع آکولہ 444302 (مہاراشٹر)

□□□

اردو میں بچوں کے ادب پر گراں قدر انعامی مقابلے

بچوں کے ادبی ٹرسٹ نے انجمن ترقی اردو (ہند) کی سرپرستی اور تعاون سے ساتھ بچوں کے اردو ادب پر دو سال میں ایک بار گراں قدر انعامات دینے کا منصوبہ بنایا ہے۔ یہ انعامات صرف تخلیق کاروں کے مسودوں پر دیے جائیں گے مطبوعہ ادب پر نہیں۔ ان مقابلوں کا اصلی مقصد اردو میں بچوں کے ادب میں اوریجنل، جدید اور اچھے مسودے حاصل کرنا ہے۔ بعد میں ان کی شایان شان اشاعت کی کوشش بھی کی جائے گی۔ انعامات کی رقم پچاس ہزار سے پندرہ ہزار روپے تک متوقع ہے۔

اس سلسلے کا پہلا انعامی مقابلہ سال 2016 میں منعقد ہوگا۔ مسودے جمع کرنے کی آخری تاریخ 2016 کے ابتدائی مہینوں میں متوقع ہے۔

مقابلوں میں ملک اور بیرون ملک کے ادیب یا شعرا حصہ لے سکتے ہیں۔ مقابلوں میں شرکت کی شرائط اور دیگر تفصیلات کا جلد ہی اعلان کیا جارہا ہے۔ بچوں کے لیے لکھنے والے [illegible] مقابلوں کے لیے [illegible] تیاری شروع کرسکتے ہیں۔

زمرۂ عمر

3 تا 6 سال (تصویری کہانی، بنیادی تصوری کتب Concept Book)
6 تا 9 سال (فکشن و نان فکشن)
9 تا 12 سال (فکشن و نان فکشن)
12 تا 16 سال (فکشن و نان فکشن)

مزید معلومات کے لیے سید غلام حیدر، سابق سکریٹری بچوں کا ادبی ٹرسٹ نئی دہلی اور محمد ساجد، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی سے مندرجہ ذیل فون نمبروں پر رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے

فون نمبر (سید غلام حیدر) 9718875214، 011-26331700
(محمد ساجد) 9811716909

اردو دُنیا

کالج آف لنگویجز میں اردو لکچررس کے تقرر کے لیے
حکومت تلنگانہ کی ہدایت

حیدرآباد (25 اگست)۔ حکومت تلنگانہ کی جانب سے کمشنر کالجیٹ ایجوکیشن کو ہدایت دی گئی ہے کہ کالج آف لنگویجز (اوپنگ) ملے پلی میں چار اردو لکچررس کے تقرر کیے جائیں۔ سکریٹری ایجوکیشن راجیو رنجن اچاریہ کے مطابق حکومت کی جانب سے تقرری پر عائد پابندی میں رعایت کرتے ہوئے احکام کے مطابق خصوصی کیس کے طور پر خالی اسامیوں کے 50 فیصد یعنی 4 اردو لکچررس کے تقرر کیے جائیں۔ حکومت نے اس سلسلے میں آج سرکاری اعلامیہ جاری کیا۔ جی او آر ٹی نمبر 24 کے مطابق حکومت کی جانب سے خانگی امدادی جونیئر ڈگری کالجس اور پولی ٹیکنکس میں راست تقرر پر پابندی عائد ہے۔ سکریٹری کورسپانڈنٹ کالج آف لنگویجز (اوپنگ) جامع مسجد معظم پورہ ملے پلی نے ہائی کورٹ میں درخواست نمبر 6550/2013 دائر کی تھی کہ کالج میں خالی اسامیوں پر تقرری کی اجازت دی جائے۔ اس پر کمشنر کالجیٹ ایجوکیشن نے حکومت کو رپورٹ پیش کی کہ کالج آف لنگویجز میں 8 اسامیاں منظور ہیں۔ اس پر حکومت نے خالی اسامیوں کا 50 فیصد یعنی 4 اردو لکچررس کے تقرری کی اجازت کے سلسلے میں سرکاری احکام جاری کر دیے۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

عالیہ یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کا قیام

کلکتہ (25 اگست)۔ عالیہ یونیورسٹی ریاست کی دوسری یونیورسٹی ہے جس میں آزادانہ طور پر شعبۂ اردو کا قیام آج عمل میں آگیا ہے۔ واضح ہو کہ مغربی بنگال میں 1857 میں قائم ہونے والی ملک کی مشہور درس گاہ کلکتہ یونیورسٹی میں سب سے پہلے شعبۂ اردو قائم کیا گیا تھا لیکن اس کے بعد ریاست کی کسی بھی یونیورسٹی میں شعبۂ اردو قائم کرنے کی سابقہ حکومتوں کو توفیق نہیں ہوئی۔ جب عالیہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو مغربی بنگال کے اردو داں طبقے کو یہ امید تھی کہ یہاں شعبۂ اردو ضرور قائم کیا جائے گا لیکن اس وقت اردو کے نام نہاد ٹھیکے داروں نے بھی اردو کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کیں اور شعبۂ اردو قائم ہوتے ہوتے نہیں ہوا۔ موجودہ حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد وقتے وقتے سے یہ آوازیں بلند ہوتی رہیں کہ عالیہ یونیورسٹی میں بھی شعبۂ اردو قائم کیا جائے۔ ان آوازوں کو اعتبار اس وقت ملا جب وزیر اعلا مغربی بنگال محترمہ ممتا بنرجی کے مشیر خاص برائے اقلیتی امور اور ممبر آف پارلیمنٹ جناب سلطان احمد نے اردو والوں کی اس دیرینہ خواہش کو موثر انداز میں مغربی بنگال کی وزیر اعلا کے سامنے پیش کیا اور جب مغربی بنگال اردو اکاڈمی کے جشن اقبال کی افتتاحی تقریب کے موقعے پر محترمہ ممتا بنرجی نے اس بات کا اعلان کیا کہ عالیہ یونیورسٹی میں اقبال چیئر قائم کی جائے گی تو ان کی توجہ اس جانب دلائی گئی کہ وہاں تو اب تک اردو کا شعبہ بھی قائم نہیں ہو سکا ہے۔ یہ سن کر وزیر اعلا دنگ رہ گئیں اور وہیں سے اعلان کیا کہ بہت جلد ہم عالیہ یونیورسٹی میں اردو کا شعبہ قائم کریں گے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے اسٹیج پر موجود پرنسپل سکریٹری محکمہ برائے اقلیتی امور اور مدرسہ تعلیم جناب سید احمد بابا (آئی اے ایس) کو فوری طور پر اس سلسلے میں کام کرنے کو کہا۔ وزیر اعلا نے دوسرے ہی دن اس معاملے کو اولیت دی اور صرف چار دن کے قلیل وقت میں فائل پر دستخط کر کے شعبۂ اردو کھولے جانے کی مہر ثبت کر دی اور سلطان احمد صاحب کی مسلسل کوششوں سے عالیہ یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے قیام کی جلد ہی نہ صرف راہ ہموار ہوئی بلکہ داخلے کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ 5 اگست کو داخلے کے لیے اہلیتی امتحان لیا گیا اور 21 اگست کو ایم اے اور بی اے اردو (آنرز) کے طلبہ و طالبات کا یونیورسٹی نے داخلہ لے کر ایک نئی تاریخ رقم کی۔ واضح ہو کہ سلطان احمد صاحب کی ذاتی کوششوں سے عالیہ یونیورسٹی کے بی ایڈ ڈپارٹمنٹ میں بھی اردو بحیثیت ایک مضمون گزشتہ سال سے پڑھایا جا رہا ہے اور اردو کے طلبہ کے لیے 5 فیصد سیٹیں مختص کی گئی ہیں۔

(اخبار مشرق۔ کلکتہ)

اودنی میں اردو جونیئر کالج کے قیام کا مطالبہ

اودنی (18 اگست)۔ ایم ایس ڈی پی اسکیم کے تحت اودنی کے لیے مرکزی حکومت کی جانب سے 3.75 کروڑ کی رقم منظوری دی گئی ہے لیکن اب تک ایک روپیہ بھی جاری نہیں کیا گیا، اس بات کو لے کر شہر کے عوام میں کافی بے چینی پائی جاتی ہے۔ بعض افراد کا یہ ماننا ہے کہ مذکورہ بالا اسکیم صرف کاغذی کارروائی تک محدود ہے۔ اگر اقلیتوں کو اسی طرح نظر انداز کیا گیا تو وہ معاشی اور سیاسی طور پر مزید پیچھے جائیں گی۔ عوام کا مطالبہ ہے کہ مرکز کی جانب سے اقلیتوں کی فلاح و بہبود کے لیے ایم ایس ڈی پی کے تحت منظورہ رقم فی الفور جاری کرتے ہوئے شہر اودنی میں آئی ٹی آئی گرلز و بوائز ہاسٹلس کے علاوہ اردو جونیئر کالج قائم کیا جائے۔ حافظ رشید نے کہا کہ اخبارات میں شائع خبروں کے مطابق حکومت کی جانب سے اودنی کی اقلیتوں کے لیے 3.75 کروڑ روپے منظور کیے گئے ہیں لیکن اب تک اسکیم پر عمل آوری کے لیے کوئی اقدام نہیں کیے گئے۔ سماجی کارکن جناب زبیر احمد نے کہا کہ شہر اودنی کی زائد از 40 فیصد آبادی اقلیتوں پر مشتمل ہے، ان کی فلاح و بہبود کے لیے مرکزی حکومت نے علاقے میں آئی ٹی آئی بوائز گرلز ہاسٹلس کی تعمیر کے لیے دسمبر 2014 میں رقم منظوری کی تھی جو اب تک جاری نہیں کی گئی۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

ضلع میدک میں 6 اردو میڈیم اسکولوں کی منظوری

سنگاریڈی (23 اگست)۔ ریاستی قائدین آر ایس مرزا وحید بیگ مقبول کے بیان کے بموجب ضلع میدک کے 6 مقامات پٹن چیرو، کانو کنٹہ، گجویل، سنگاپور، بی سی کالونی اور چنچل پلی ہاسٹل گنڈہ سنگاریڈی میں حکومت کی جانب سے اردو میڈیم متوازی جماعتوں کی منظوری سے اردو داں طبقے میں مسرت کی لہر دوڑ گئی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ محبان اردو کی دیرینہ تمنا تھی کہ صنعتی علاقہ پٹن چیرو میں سرکاری اردو میڈیم اسکول کا قیام عمل میں لایا جائے۔ پٹن چیرو میں کئی سالوں سے سرکاری اردو میڈیم اسکول کا وجود نہیں تھا اور پٹن چیرو کے طلبہ و طالبات اپنی معاشی پس ماندگی کی وجہ سے پرائیویٹ اسکولوں میں داخلہ حاصل نہیں کر سکنے کی وجہ سے ترک تعلیم پر مجبور ہو گئے تھے۔ قانون حق تعلیم کی روشنی میں 6 تا 14 سال کی عمر کے بچوں کے لیے تعلیم فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس خصوص میں حکومت کی جانب سے ضلع میں صد فیصد خواندگی کے حصول کے لیے 6 مقامات پر اردو میڈیم متوازی جماعتوں کا قیام ایک خوش آئند اقدام ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان مقامات پر اردو میڈیم اسکولوں کا قیام محبان اردو اور طلبہ و طالبات کے سرپرستوں کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ پٹن چیرو کے علاوہ کانو کنٹہ، گجویل، سنگاپور، بی سی کالونی اور چنچل پلی ہاسٹل گنڈہ کے مذکورہ اردو میڈیم متوازی جماعتوں کی ترقی اور انھیں اردو میڈیم اپر پرائمری اسکولس بنانے کے لیے جدوجہد کی جائے گی۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

گونڈی کے شیواجی نگر میونسپل اسکولوں میں بنیادی سہولتیں ندارد

گونڈی، مہاراشٹر (25 اگست)۔ یہاں شیواجی نگر میونسپل اسکول نمبر 1، 2 و 8 اور سیکنڈری ہائی اسکول اردو اسکول میں محکمۂ تعلیم کی بے حد لاپروائی کے نتیجے میں ہزاروں طلبہ بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں۔ شہر اور مضافات کے اسکولوں میں جہاں اساتذہ کی کمی ہے وہیں اردو اسکول نمبر 8 میں اسکول کے اساتذہ کی تعداد بھی طلبہ کے مطابق زائد ہے۔ اس کے علاوہ اسکول کے تعلیمی اوقات کے دوران اسکول میں آوارہ کتے گھومتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے بچوں کو ان سے نقصان پہنچنے کا خطرہ لاحق ہے۔

گونڈی کے شیواجی نگر جنکشن کے قریب شیواجی نگر بلڈنگ نمبر 1 میں بی ایم سی کے مراٹھی، ہندی، تلگو اور اردو میڈیم کے اسکول نمبر 1، 2 اور 8 کے علاوہ ہائی سیکنڈری اردو اسکول کے طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ پرائمری اور سیکنڈری اسکولوں کے طلبہ کے والدین سے ملنے والی شکایت کے بعد نمائندہ 'انقلاب' نے مذکورہ اسکول کا جائزہ لیتے ہوئے طلبہ سے بات چیت کی تو انھوں نے الزام لگایا کہ اسکول کے زیادہ تر کلاسوں میں بنچ، چٹائی اور بچھانے کے لیے کوئی بوری وغیرہ نہیں ہے جس کی وجہ سے بچے فرش پر بیٹھنے پر مجبور ہیں۔

اسکول کے طلبہ نے بیت الخلا کی جانب توجہ مبذول کراتے ہوئے اس نمائندے سے کہا کہ اس میں پانی ندارد ہے اور گندگی کی وجہ سے بیت الخلا میں داخل ہونا مشکل ہو گیا ہے۔ اکثر اوقات پینے اور ضرورت کے لیے پانی نہیں رہتا ہے جس کی وجہ سے بچے گھر سے پانی لے کر آتے ہیں۔ ایک طالب علم کے سرپرست نے کہا کہ اسکول میں بجلی اور پنکھے وغیرہ کی ضرورت ہے۔ اسکول کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے بارش اور دھوپ سے بچنے کے لیے طلبہ کھڑکیوں پر پلاسٹک وغیرہ لگاتے ہیں۔

اس سلسلے میں ہائی اسکول کے ایک طالب علم نے کہا کہ شیواجی نگر بی ایم سی ہائی سیکنڈری اسکول میں 6 اساتذہ کی ضرورت ہے لیکن صرف ایک معلم ہے، اس سے بچوں کا تعلیمی نقصان ہو رہا ہے۔ ایک طالب علم کے مطابق گزشتہ امتحان میں شیواجی نگر ہائی اردو اسکول کے ایس ایس سی میں پڑھنے والے 25 طلبہ میں سے صرف 7 بچے کامیاب ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں ایک معلم نے بتایا کہ ایس ایس سی میں فیل ہونے والے زیادہ تر بچے اکتوبر میں منعقد ہونے والے امتحان میں حصہ لیتے ہیں لیکن اگر اس میں بھی ناکام ہو گئے تو وہ تعلیمی سلسلہ ترک کر دیتے ہیں۔

اس ضمن میں نمائندہ 'انقلاب' نے پرائمری اسکول کے ایڈمنسٹریٹو آفیسر (اے او) وانی سر سے گفتگو کی تو انھوں نے یقین دلایا کہ وہ 27 اگست کو اسکول کا دورہ کریں گے اور جو ضرورتیں ہیں انھیں مہیا کرانے کی کوشش کریں گے۔ انھوں نے 'انقلاب' کی توجہ پر شکریہ ادا کرتے ہوئے یقین دلایا کہ وہ اس سلسلے میں کوئی

(بقیہ صفحہ ۲ پر)

اردو میڈیم اسکولوں میں اساتذہ کی شدید قلت

اکیڈمک انسٹرکٹر کے تقرر کا مطالبہ

نظام آباد، تلنگانہ۔ آل انڈیا آئیڈیل ٹیچرس ایسوسی ایشن نظام آباد یونٹ کے ضلعی صدر جناب سید عبدالنعیم اور نظام آباد یونٹ کے صدر جناب محمد اسحاق حسین نے اپنے مشترکہ صحافتی بیان میں کہا کہ تبادلوں کے بعد اردو میڈیم کے کئی اسکولوں میں صرف ایک ہی ٹیچر رہ گیا ہے۔ ساتویں جماعت تک صرف ایک ہی ٹیچر کام کر رہا ہے۔ پانچ جماعتیں ہیں ایک ہی ٹیچر ہے اور کئی ہائی اسکولوں میں ریاضی اور فزیکل سائنس جیسے اہم مضامین کے مستقل ٹیچر نہیں ہیں جس سے طلبہ کی تعلیم متاثر ہو رہی ہے۔ CCE ماڈل تو اسکولوں میں اپنایا جا رہا ہے لیکن مضمون واری اساتذہ کی شدید قلت ہے۔ ضلع پریشد ہائی اسکول کوٹگیر، ضلع پریشد ہائی اسکول ہسکل میں سماجی علم کا مستقل ٹیچر نہیں ہے۔ انھوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اردو میڈیم کے لیے اسپیشل ڈی ایس سی رکھا جائے اور جب تک ان اسکولوں میں اکیڈمک انسٹرکٹر کے تقرر عمل میں لائے جائیں۔ انھوں نے چیف منسٹر چندرا شیکھر راؤ، ڈپٹی چیف منسٹر محمود علی خان اور ضلع نظام آباد کی رکن پارلیمنٹ کے کویتا سے پرزور مطالبہ کیا کہ جلد سے جلد انسٹرکٹرز کے تقرر کیے جائیں۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

سرکاری احکام کے باوجود اردو زبان کا استعمال نہیں

امیٹھی، یوپی (10 اگست)۔ کسی دفتر ہیڈ کوارٹرز اور نوٹس بورڈوں پر ہندی زبان کے ساتھ ساتھ اردو کا بھی استعمال کیے جانے کے سرکاری فرمان کے باوجود کسی بھی دفتر میں اردو زبان کا استعمال نہیں کیا جا سکا ہے۔ آل انڈیا خان پٹھان مہاسبھا کے کنوینر کی شکایت پر ضلع مجسٹریٹ کی طرف سے سبھی محکموں کے چیئرمینوں کو ہندی کے ساتھ ساتھ اردو زبان کا استعمال کرنے کی ہدایت جاری کی گئی ہے۔ حکومت نے ہر سرکاری دفاتر پر نام ہندی کے ساتھ ہی اردو میں بھی لکھنے کا حکم جاری کیا ہے۔ اس کے باوجود ضلع ہیڈ کوارٹر، جگدیش پور سمیت دیگر بلاکوں میں بلاک ہیڈ کوارٹر، تھانہ، اسپتال و دیگر سرکاری دفاتر پر اردو کا استعمال نہیں کیا جا رہا ہے۔ ہندی کے ساتھ دفاتر میں اردو دیکھنے کو نہیں ملتی بلکہ انگریزی ضرور نظر آ جاتی ہے۔ اس کی شکایت مہاسبھا کے کنوینر محمد قدیر نے ڈی ایم سے کی۔ معاملے کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے ڈی ایم جگت راج ترپاٹھی نے سبھی چیئرمینوں کو اردو کو استعمال کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے خط جاری کیا۔ (انکشاف۔ جھانسی)

اردو ٹی ای ٹی پاس امیدواروں کو مایوسی

پٹنہ ہائی کورٹ میں سماعت جاری

پٹنہ (27 اگست)۔ اردو، بنگلہ ٹی ای ٹی پاس امیدواروں کی ملازمت کی امیدیں مایوسی میں بدلنے لگی ہیں۔ آج پٹنہ ہائی کورٹ میں سماعت تھی جہاں سے انھیں مایوس لوٹنا پڑا۔ عدالت میں تقرری کے سلسلے میں سماعت جاری ہے۔ اگلی سنوائی 28 اگست کو ہوگی جس میں فیصلہ محفوظ ہونے کا امکان ہے۔ اس سلسلے میں عرضی گزار اور بہار اسکول اگزامنیشن بورڈ نے اپنا موقف رکھا۔ ریاستی حکومت کی طرف سے پرنسپل ایڈیشنل ایڈووکیٹ للت کشور نے بھی اپنا موقف رکھا۔ وہ جمعے کو بھی اپنی دلیل پیش کریں گے۔ کارگزار چیف جسٹس اقبال احمد انصاری اور جسٹس چکردھاری شرن سنگھ کی بنچ نے اس کی سنوائی ملتوی کر دی۔ عدالت نے 29 جولائی کو اردو اور بنگلہ ٹیچروں کی تقرری پر روک لگا دی تھی۔ تقرری 29 جولائی سے ہونی تھی۔ اگزامنیشن بورڈ نے 6 مئی کے سنگل بنچ کی ہدایت کے مطابق بھی غلط سوالات کو ہٹا کر پھر سے رزلٹ جاری کیا تھا اور اس کی بنیاد پر تقرری کا عمل شروع کیا گیا تھا۔ اس کے بعد نفیس نواز سمیت دیگر نے سنگل بنچ کی ہدایت کے خلاف اپیل کی اور کہا کہ اگزامنیشن بورڈ دوسرے والے رزلٹ کی بنیاد پر بحالی کرے نہ کہ پہلے والے رزلٹ کی بنیاد پر، کیوں کہ دوسری بار ماہرین کی رائے کے بعد غلط سوالات طے کیے گئے تھے اور رزلٹ نکالا گیا تھا۔ سنگل بنچ نے اپنے 6 مئی 2015 کی ہدایت پر اگزامنیشن بورڈ سے کہا تھا کہ وہ غلط سوالات ہٹا کر ٹیچروں کی بحالی کر لے کر ہی ٹی ای ٹی امتحان کا رزلٹ نکالے۔ اب امیدواروں کی نگاہیں اگلی سنوائی پر لگی ہوئی ہے۔ تاہم ان کی مایوسی مزید بڑھ رہی ہے کیوں کہ مثالی ضابطہ اخلاق نافذ ہونے کے بعد تقرری کا عمل پورا نہیں کیا جا سکتا۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

محکمہ بیسک ایجوکیشن کا اردو طلبہ کے ساتھ امتیازی سلوک

درجہ 1 سے 5 تک کے بچے اردو کی کتابوں سے محروم

سہارنپور (30 اگست)۔ اردو ٹیچرس ویلفیئر ایسوسی ایشن اتر پردیش کے ضلع صدر راؤ عبدالستار نے بیسک ایجوکیشن محکمے پر اردو کے ساتھ امتیازی سلوک کا الزام لگاتے ہوئے کہا کہ ضلع بھر میں درجہ 1 سے درجہ 5 تک کے اردو پڑھنے والے سرکاری پرائمری اسکول کے بچے اردو کی نصابی کتابوں سے محروم ہیں جس کی وجہ سے ان طلبہ کی ناراضگی اردو اساتذہ کو جھیلنی پڑ رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ تقریباً 10 ہزار بچے ضلع کے سرکاری پرائمری اسکولوں کے ایسے ہیں جنھوں نے اردو بحیثیت مضمون لے رکھی ہے۔ نیا تعلیمی سیشن شروع ہوئے چار ماہ گزر چکے ہیں لیکن اردو کے طلبہ کتابوں سے محروم ہیں۔ انھوں نے کہا کہ پہلے محکمے کے صوبائی دفتر کی تاخیر کی وجہ سے طلبہ کتابوں سے محروم رہے اور اب خبر ہے کہ ضلع بیسک ایجوکیشن محکمے نے ابھی تک ان کتابوں کو اسکولوں تک نہیں پہنچایا۔ درجہ 5 کی کتابیں ابھی بھی لکھنؤ سے نہیں آئی ہیں۔ بچوں کی تعلیم کا نقصان ہو رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ضلع بیسک ایجوکیشن کی ایک اور ستم ظریفی یہ ہے کہ کتابیں اگر آتی ہیں تو دوسرے مضامین کی طرح تمام اسکولوں میں اردو کی کتابیں نہیں دی جاتیں۔ دوسری کتابوں کے مقابلے صرف 10 فیصد اردو کتابیں اسکولوں کو بھیجی جاتی ہیں۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ جہاں اردو ٹیچر نہیں ہے وہاں اردو کی کتابوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ جہاں اردو ٹیچر نہیں ہیں وہاں ٹیچر کی تقرری کی جائے اور جن بچوں نے اردو لی ہے ان کو اردو پڑھائی جائے۔ انھوں نے کہا کہ بہت سے اسکولوں میں سائنس یا دوسرے مضامین کے اساتذہ نہیں ہوتے، طلبہ ہوتے ہیں اس لیے پورا نصاب اسکول میں پہنچایا جاتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس سلسلے میں اردو ٹیچرس ویلفیئر ایسوسی ایشن بھی محکمے کے ذمہ داران کو متوجہ کر چکی ہے لیکن نتیجہ صفر ہے۔ ادھر ضلع بیسک ایجوکیشن افسر [illegible] نے تسلیم کیا کہ درجہ 1 سے درجہ 4 تک کی کتابیں آ چکی ہیں جن کو جلد از جلد اسکولوں میں بھیجا جائے گا اور درجہ 5 کی کتابیں بھی جلد منگوانے جانے کی کوشش جاری ہے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اساتذہ کی خالی اسامیوں پر تقرری سے حکومت کا انکار

حیدرآباد (16 اگست)۔ سابق وزیر تعلیم پارتھا سارتھی نے اعلان کیا تھا کہ ریاست میں 18 ہزار اساتذہ کی اسامیاں خالی ہیں جن پر تقرری کے لیے جلد ہی ڈی ایس سی کا اعلامیہ جاری کیا جائے گا تاہم موجودہ وزیر تعلیم کڈیم سری ہری نے واضح کیا ہے کہ اساتذہ کی تلنگانہ میں اسامیاں خالی نہیں ہیں اور اس سال کوئی ڈی ایس سی جاری نہیں کیا جائے گا۔ سیما آندھرا کے 13 اضلاع میں تلگو دیشم حکومت نے 10 ہزار اساتذہ کی اسامیوں پر بھرتی کی ہے۔ ماضی میں متحدہ ریاست میں حکومت کے اعلان کے مطابق تلنگانہ میں 8 ہزار اساتذہ کی اسامیاں خالی تھیں تاہم وزیر تعلیم کی جانب سے اساتذہ کی اسامیاں خالی نہ ہونے کا اعلان کیے جانے کی وجہ سے ڈی ایس سی کا انتظار کرنے والے امیدواروں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ متحدہ ریاست میں آخری مرتبہ ڈی ایس سی کے لیے 2012 میں اعلامیہ جاری کیا گیا تھا اور اس کے ذریعے اساتذہ کی 21 ہزار اسامیوں پر بھرتی کی گئی تھی۔ 2014 میں 18 ہزار اسامیوں پر بھرتی کے لیے اعلامیہ جاری ہونا تھا۔ ریاست کی تقسیم کی وجہ سے ڈی ایس سی کا اعلان نہیں کیا گیا۔ تقسیم کے بعد سیما آندھرا حکومت نے پہلی مرتبہ ڈی ایس سی منعقد کی اور 10 ہزار سے زائد اسامیوں پر بھرتی کی تاہم تلنگانہ کی تقسیم کے بعد اسمبلی کے پہلے اجلاس میں حکومت نے اعلان کیا تھا کہ ریاست کے تمام سرکاری محکموں میں ایک لاکھ 7 ہزار اسامیاں خالی ہیں۔ اس میں اسکولی تعلیم کے محکمے میں 24861 اسامیاں ہیں۔ اگر تو ہم [illegible] کے لحاظ سے طلبہ اور اساتذہ کے تناسب کو دیکھتے ہوئے اسامیوں کا حساب لگایا جائے تو تقریباً 7500 اسامیوں کا اضافہ ہوا ہے۔ محبوب نگر، عادل آباد، نظام آباد اور میدک اضلاع میں ایس جی ٹی اساتذہ کی قلت ہے۔ ہائی اسکولوں میں مضمون ٹیچرس کی قلت ہے۔ حال ہی میں اساتذہ کو جو ترقی دی گئی ہے اس میں تقریباً 2300 افراد شامل ہیں اس لحاظ سے اساتذہ کی 9800 اسامیاں خالی ہیں۔ اس کے باوجود بھی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ محکمہ تعلیم میں کوئی اسامی خالی نہیں ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ حکومت ایک طرف جہاں اسامیاں خالی نہ ہونے کا اعلان کر رہی ہے وہیں دوسری طرف اکیڈمک انسٹرکٹرز کی اسامیوں پر بھرتی کی جا رہی ہے۔ اس سلسلے میں محکمہ تعلیم نے حکومت سے اجازت طلب کی ہے۔ ڈی ایس سی اعلامیہ جاری کیے بغیر ہی 9 ہزار اکیڈمک انسٹرکٹرز کی اسامیوں پر تقرری کے لیے راہ ہموار کی جا رہی ہے۔ اعداد و شمار کے لحاظ سے رنگا ریڈی ضلع میں ایس جی ٹی کی 950، ایس اے اور دیگر اسامیاں 450 ہیں۔ ورنگل میں ایس جی ٹی کی 214 اور دیگر اساتذہ کی 235، محبوب نگر میں ایس جی ٹی کی 1103 اور دیگر اساتذہ کی 385، عادل آباد میں ایس جی ٹی کی 1178 اور دیگر 192، نلگنڈہ میں ایس جی ٹی کی 20 اور دیگر 300، نظام آباد میں ایس جی ٹی کی 250 اور دیگر 570، حیدرآباد میں ایس جی ٹی کی 474 اور دیگر 250، میدک میں ایس جی ٹی کی 939 اور دیگر کی 302، کھمم میں ایس جی ٹی کی 460 اور دیگر 98 اسامیاں خالی ہونے کا اندازہ لگایا گیا ہے۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

رفتید ولے نہ از دل ما

اردو کے مشہور و ممتاز صحافی جناب منیر نیازی کا 27 اگست 2015 کو ان کے آبائی وطن غازی پور کے گوز سرا گاؤں میں انتقال ہو گیا۔ وہ تقریباً 77 برس کے تھے اور کچھ دنوں سے ان کی طبیعت ناساز چل رہی تھی۔ مرحوم کے پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ تین بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں۔ کوئی پانچ سال قبل مرحوم پر دماغی حملہ بھی ہوا تھا جس کی تاب لانے میں وہ کامیاب رہے۔

منیر نیازی صاحب نے کلکتہ کے موقر اردو اخبار 'آزاد ہند' کے ادارتی شعبے کے سربراہ کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ اس سے قبل ہندی چترکارتا کے ذریعے اپنا کیریئر شروع کیا تھا۔ 'آزاد ہند' سے ایک مرحلے پر تعلق ختم کر کے وہ دلی چلے گئے تھے، جہاں کچھ دنوں تک وہ اردو خبر رساں ایجنسی یو این آئی کی اردو سروس سے وابستہ رہے۔ کولکاتا کو خیرباد کہنے سے قبل مرحوم نے فروخت شدہ 'آزاد ہند' کے نئے مقتدرین کی دعوت پر دوبارہ اخبار سے وابستگی اختیار کی تھی لیکن صحت نے یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک جاری نہیں رہنے دیا۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : گنجینۂ معنی کا طلسم (مطالعۂ غالب)
مصنف : اسلم پرویز
ضخامت : 144 صفحات
قیمت : 150 روپے
ناشر : غالب انسٹی ٹیوٹ، ایوان غالب مارگ، نئی دہلی۔ 2
تبصرہ نگار : دیپک بدکی
deepak.budki@gmail.com

ڈاکٹر اسلم پرویز کا حال ہی میں شائع ہوا مضامین کا مجموعہ 'گنجینۂ معنی کا طلسم' غالب کے فکر و فن کو ایک نئے زاویے سے سمجھنے کی کوشش ہے۔ اس مجموعے میں تیرہ مضامین شامل ہیں جن میں غالب کی شاعری اور نثر دونوں کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔ غالب تو اردو ادب کے معیار ہیں ہی البتہ ڈاکٹر اسلم پرویز کی غالب شناسی بھی پچاس سالوں پر محیط ہے۔ کتاب کے پیش لفظ میں پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی فرماتے ہیں کہ "اسلم پرویز نے افہام و تفہیم اور تجزیاتی انداز فکر اختیار کیا ہے۔ اس میں ان کی تدریسی زندگی کا عکس بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ بنیادی طور پر اس کتاب کے تحریری مباحث عملی تنقید کے ساتھ زیادہ قربت رکھتے ہیں۔ اس وجہ کو جانچتے کے معنی سے رشتہ استوار کرنے کی سعی کی گئی ہے۔"

پہلے باب 'تجزیہ غالب' ... نے ایک نظم کے حوالے سے اسلم پرویز یہ باور کراتے ہیں کہ "وقیع شعر کا سفر ہوتا ہے، وہ وقت کے گزرنے کے ساتھ نازل ہوتا ہے۔ شاعر و تمثیل رسائی کے تشکیل الہام ہوتا ہے۔" ماضی میں یونانی ادیبوں نے شاعری کے عناصر میں ...، روحانی، الوہیت کی نمائندگی، مصوری، نقشوں کی جادوگری اور فن کاری کو گنوایا تھا البتہ جدید شاعری میں یہ دعوے سامنے آتے ہیں۔ غالب کے یہاں معنی کے امکانات کی کثرت پائی جاتی ہے۔ بقول اسلم پرویز تفہیم یا تو قطعی ہوتی ہے جس میں قاری مختلف شارحین کی تحقیق سے کام کو سمجھتا ہے یا پھر تجرباتی جس میں وہ خود اپنی صلاحیت پر اعتبار کرتا ہے۔ دوسرے ... غالب کی تشریح میں ... طور پر ... ہے کہ اشعار کے انتخاب کی تشریح میں دوسرے طرز کی تفہیم ملتی ہے۔ وہ مزید فرماتے ہیں کہ "مختلف قارئین کے زاویہ نگاہ سے ایک ہی شعر کے مختلف، متخالف اور متضاد تعبیریں ہو سکتی ہیں۔" اتنا ہی نہیں، شعر کا تعین قدر تقابل سے بھی ممکن ہے۔ دوسرے باب کا عنوان ہے 'پسندیدہ اشعار- میر اور غالب کے حوالے سے'۔ بقول مضمون نگار "اصل غالب ہمیں ان کی فارسی شاعری میں ملتا ہے۔ صرف اردو کی حد تک غالب اوسط درجہ شاعر ہے۔" غالب کی انتخابیت کے سبب انھوں نے اپنے مافی الضمیر پر اصرار کر کے لوگوں کے سامنے رکھ دیا، نتیجے میں ان کے طبع اور مزاج کی انفرادیت اور شاعرانہ کرافت ابھر کر ہو گئے۔ یہی وہ انتخابیت ہے جو اس کی انفرادیت اور شاعرانہ شناخت کی تعمیر و تشکیل کرتی ہے اور اس پر غالب کا انداز بیان ہونے پر سہاگہ کا کام کرتا ہے۔ بقول اسلم پرویز ایک شاعر کا جب دیوان اس کی موت کے مترادف ہے۔ "غالب دین و دانش کے درمیان" کتاب کا تیسرا اور اہم مضمون ہے جس میں ان کے نظریہ، مسلک اور تصوف وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔ بڑی شاعری داخلی اور خارجی خلفشار سے پیدا ہوتی ہے۔ غالب کے یہاں تہذیبی شناخت اور فنکارانہ بصیرت بیک وقت عیاں ہے۔ ان کے یہاں تجسس، تشکیک، استفہام، احتجاج، دانش، روایت شکنی، کرب آگہی، انکار و یاس، وحشت، ... زندگی کی ... ہے جو حاصل اور تصور کرنے کا وجودی انداز فکر ملتا ہے۔ اس باب میں غالب کے خیالات کو واضح کرنے کے لیے غالب کی آپ بیتی سے کئی اقتباسات درج کیے گئے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں "میں بنی آدم کو، مسلمان یا ہندو یا نصرانی، عزیز رکھتا ہوں اور اپنا بھائی گنتا ہوں۔ دوسرا مانے یا نہ مانے۔" (غالب کی آپ بیتی ص 50)۔ علاوہ ازیں انھوں نے کئی اشعار میں تصدیق سے یہی واضح کیا ہے۔ چند اشعار:

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

چوتھا باب 'غالب کی شاعری میں علامت' سے متعلق ہے۔ دیکھا جائے تو علامتوں اور استعاروں پر دور جدید میں زیادہ زور دیا گیا اور اس سے پہلے ان پر فوکس نہیں کیا جاتا تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انفرادی اور اجتماعی علامتوں کا استعمال کلاسیکی شاعری میں نہیں ہوتا تھا۔ غالب کلاسیکی شعرا میں سب سے زیادہ جدید ذہن رکھتے تھے۔ مضمون نگار نے غالب کی شاعری میں عام طور پر استعمال علامتوں اور استعاروں کی نشاندہی کی ہے۔ پانچویں باب 'غالب اپنے شکست کی آواز' میں غالب کے احساس جمال اور تصور حسن پر بحث کی گئی ہے۔ ان کی شاعری اپنے دور کی فکری، تغلیبی، تعلیمی، ادبی اور تہذیبی تبدیلیوں کو سمیٹے ہوئے جلوہ گر ہے۔ حقیقت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دور سے کہیں آگے مستقبل کی باتیں کرتے تھے:

سایہ میرا مجھ سے مثل دود بھاگے ہے اسد
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

'غالب اور مومن' عنوان سے چھٹا باب دونوں اساتذہ کی شاعری کا تقابلی مطالعہ ہے۔ مضمون نگار مومن کی طرح غالب کو وہابی نہیں مانتے ہیں، مومن کو ایک ابھرتی ہوئی جاگیردار تہذیب کا نمائندہ قرار دیتے ہیں جب کہ غالب کو ابھرتے ہوئے ذہنی شعور متوسط طبقے کی علامت۔ بقول اسلم پرویز "حیات و کائنات کے مسائل پر غالب ایک حکیم، ایک فلسفی اور ایک دانشور کی حیثیت سے غور کرتے ہیں اور مومن صرف ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے۔" بحیثیت غزل کے میدان میں غالب کو مومن پر برتری حاصل ہے۔ غالب کی شاعری، اردو پر فارسی کی فوقیت اور ابہامی ... منظومات، مرکبات وغیرہ پر دو اور باب بعنوان 'غالب کے پینڈے' اور 'غالب مجنون' شامل اشاعت ہیں۔ اس کے بعد غالب کی بنارس میں اقامت اور کولکاتا کے سفر کا بیان، وہاں کے ادبی معرکے کے حوالے سے بالترتیب 'غالب اور بنارس' اور 'غالب کا سفر کلکتہ اور کلکتے کا ادبی معرکہ: ایک تعارف' میں ملتے ہیں جن سے ان کی شہرت اور مقامی شاعروں کی حاسدانہ کارروائیوں کا پتا چلتا ہے۔ چنانچہ بنارس کے بارے میں ایک خط میں رقم طراز ہیں کہ "دشمنوں کا خوف نہ ہوتا تو میں ترک دین کر کے سبحہ توڑ دیتا، قشقہ لگا لیتا اور اس وضع کے ساتھ اس وقت تک گنگا کنارے بیٹھا رہتا جب تک آرائش ہستی کی گرد نہ دھل جاتی اور قطرے کی طرح دریا میں نہ مل جاتا۔" آگے دو مضامین کا عنوان 'غالب کے تلامذہ اور رام پور' اور 'تنقید و دیوان غالب (نسخۂ عرشی)' ہیں جن کے عنوانات سے ہی ان کے موضوع کا پتا چلتا ہے۔ آخر میں اسلم پرویز کے 'غالب اور انگریزی الفاظ' کے تحت اس عظیم شاعر کی نگارشات میں انگریزی الفاظ کے استعمال پر روشنی پڑتی ہے۔

مختصر یہ کہ 'گنجینۂ معنی کا طلسم' غالبیات میں ایک اہم اضافہ ہے اور اردو ادب کے ہر سنجیدہ طالب علم کے لیے ضروری ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کی ادبی حلقوں میں کافی پذیرائی ہوگی۔

***

نام کتاب : کلیاں کھلنے دو
شاعر : سہیل عالم
ضخامت : 72 صفحات
قیمت : 54 روپے
ملنے کا پتا : آئیڈیل پبلی کیشن ہاؤس کامٹی- 441001، مہاراشٹر
تبصرہ نگار : ام ماریہ حق
ummemariahaque@gmail.com

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، کے مالی تعاون سے شائع کتاب 'کلیاں کھلنے دو' کے شاعر سہیل عالم کی یہ دوسری تصنیف ہے۔ اس سے پہلے ان کی کتاب 'مسکراہٹ' شائع ہو کر معصوم مسکراہٹیں سمیٹ چکی ہے۔ کتاب کی شروعات ڈاکٹر مدحت الاختر، نقی جعفری اور عارف جمالی کے مضامین سے کی گئی ہے۔ بقول عارف جمالی: "بچوں کے ادب کی تخلیق کے لیے ایک معصوم فطرت کا حامل ہونا ضروری ہے۔ سہیل عالم میں جو امید کے حسین کردار کی تمام جھلکیاں پائی جاتی ہیں اور ان کی نظموں میں بھی وہی شفقت، وہی انس اور وہی زمانے بھر سے محبت پائی جاتی ہے۔"

مضامین کے بعد کتاب میں مناجات، نعت پاک اور منقبت کو شامل کیا گیا ہے۔ مناجات کا ایک شعر پیش ہے:

ہم کو عطا ہو یارب علم و ہنر کی دولت
تیرے کرم سے پائیں دونوں جہاں میں عزت

76 صفحات پر مشتمل اس کتاب میں 27 نظموں کو شامل کیا گیا ہے۔ بقول شاعر زیادہ تر نظمیں بچوں کے رسالوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ بچوں کے لیے لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے اس کے لیے ان کی فطری اور نفسیاتی سوچ کی سطح پر اترنا ضروری ہوتا ہے۔ 'کلیاں کھلنے دو' کے مطالعے کے بعد سہیل عالم کی اس ہنرمندی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ کتاب میں مختلف اور آسان موضوعات پر بچوں کے لیے جو نظمیں پیش کی گئی ہیں ان میں 'چندہ'، 'اگست'، 'تتلی'، 'اسکول'، 'بارش' اور 'سردی آئی' مجھے خاص طور پر پسند آئیں۔ 'سردی آئی' کا ایک بند پیش نظر ہے:

بارش گزری سردی آئی
نکلے کمبل اور رضائی
لسی، قلفی اور ملائی
خواب ہوئے سب اب تو بھائی
سردی آئی سردی آئی

انھوں نے ان نظموں میں اس ترقی یافتہ زمانے کی سب سے اہم دریافت کمپیوٹر کے بارے میں بھی کئی نظمیں پیش کی ہیں۔ نظم 'آؤ سیکھیں کمپیوٹر' کے دو شعر پیش ہیں:

سائنس کی ایجاد ہے اک یہ لاثانی
کام کی سرعت پہ ہے جس کی حیرانی

کمپیوٹر کی شان نرالی ہے جو
سائنس ایجاد مثالی ہے جو

اس دور میں جب کہ زیادہ تر ادیب و شاعر بچوں کے لیے لکھنا ضروری نہیں سمجھتے، سہیل عالم کی یہ کاوش قابل داد ہے۔

***

بقیہ: صفحہ 4 سے آگے

انھوں قدم اٹھائیں کہ ... کیوں کہ بچوں کی ضرورتیں پوری نہیں ہوں گی تو اس کا اثر ان کی تعلیم پر پڑے گا۔

بیٹ آفیسر ہارون مرسے نے تمام مسائل سننے کے بعد کہا کہ بیٹ افسروں کی کمی کی وجہ سے ان پر کام کا بہت بوجھ ہے۔ اس کے باوجود وہ حتی الامکان اسکولوں کا جائزہ لینے کے لیے جاتے ہیں۔ ان پر ۲۴۰ معلمین کی ذمہ داری ہونی چاہیے لیکن وہ 550 اساتذہ کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ اسکول کے مالی اور کیئر ٹیکر نے کتے پال رکھے ہیں، ان کے بچے بھی اسکول میں گھومتے رہتے ہیں لیکن اس کے خلاف بھی کارروائی ضروری ہے۔

اس ضمن میں مقامی کارپوریٹر محمد شیخ نے کہا کہ اسکول میں وہ 15 اگست کو گئے تھے لیکن کسی نے ان مسائل کی طرف توجہ نہیں دلائی۔ وہ اسکول میں جا کر معائنہ کرنے کے بعد ایجوکیشن افسران سے اس بارے میں تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ علاقے کے رکن اسمبلی ابو عاصم اعظمی نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بی ایم سی اسکولوں کے بارے میں بار بار مسائل اٹھائے جا رہے ہیں لیکن محکمہ اتنا بے حس ہو گیا کہ ان کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (انقلاب۔ دہلی)

بقیہ: بچوں کے ادب کے چند امتیازی پہلو

سے آگے

"اس سائنسی دور میں شاید لوگ کہیں کہ جنوں اور پریوں کی طلسماتی گرفت سے بچوں کو آزاد کرانا لازمی ہے تاکہ ان میں سائنسی ذہن پیدا ہو سکے لیکن کیا کیا جائے کہ ابھی انسان کا ذہنی ارتقا اس نقطے پر نہیں پہنچ سکا جہاں وہ قطعاً معروضی ہو کر رہ جائے اس کا بچپن تو خاص کر بہت عزیز ہی ہے اور تخیل کی اس دنیا سے نہیں نکل سکا ہے جہاں اب بھی اُڑن کھٹولوں اور کل کے گھوڑوں پر پرواز کے مواقع ملتے ہیں۔ تخیلاتی دنیا کی یہ فرشی سیر اس کی جبلت کا ایسا جزو لاینفک بن چکی ہے جو ہوا باز جہاز اور چاند گاڑی پر اڑنے کے باوجود جوں کا توں قائم ہے"۔

(بچوں میں ذوقِ ادب کیسے پیدا کیا جائے، ص 10)

ڈاکٹر اطہر پرویز نے بھی کہا تھا:

"اگر انسان ان دیکھے سپنے نہ دیکھتا تو وہ نہ کوئی ہوائی جہاز اڑا سکتا تھا نہ دریاؤں پر پل بنا سکتا تھا۔ اگر وہ ایسے قصے کہانیاں نہ سنتا تو اس کے دماغ کو آج اچھی طرح سوچنے کی عادت بھی نہ پڑتی۔ آخر وہ سوچتے سوچتے خواب دیکھتے دیکھتے ایک ایسی دنیا بنانے میں کامیاب ہو گیا جو اس دنیا سے بالکل مختلف ہو"۔

(ادب کسے کہتے ہیں، ص 6)

پروفیسر، صدر شعبۂ اردو
الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد
allahmad.fatmi@yahoo.com

بقیہ: خواتین فکشن نگار

صفحہ ۸ سے آگے

ہے۔ لیکن کیا ان کی تمام تحریروں کے ہندی تراجم موجود ہیں؟ نہیں۔ ناولوں کے تراجم کے مقابلے میں ان دونوں کی کہانیوں کی ایک بڑی تعداد ہے جس کا ترجمہ ہونا ابھی باقی ہے۔ کسی ایک تخلیق کار کے ہاں عام طور سے افسانوی انتخاب یا ایک دو مجموعوں کے تراجم کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ جیلانی بانو کے مجموعی ادبی سرمایے کے مقابلے میں ان کے ہندی تراجم کا تناسب ایک چوتھائی بھی نہیں ہے۔ دیگر خواتین افسانہ نویس اور ناول نگاروں کی حالت ہندی ترجمے کے باب میں اور بھی دگرگوں ہے۔ یہیں رُک کر ذرا تاریخی طور پر صورت حال کا مجھے اختصار کے ساتھ جائزہ لینے دیجیے تاکہ ترجموں کے تعلق سے ہماری غفلت شعاری واضح ہو سکے۔

1881 میں جب عظیم آباد کی خاک سے کسی خاتون کا لکھا ہوا پہلا اردو ناول 'اصلاح النسا' سامنے آیا، اس وقت تک کتابوں پر عورتوں کے نام بھی نہیں درج ہوتے تھے۔ رشیدۃ النسا، جو اس کتاب میں محض 'والدہ بیرسٹر محمد سلیمان' تھیں، اپنے زمانے سے بہت آگے تھیں لیکن آج تک وہ تاریخی کام نہ ہندی میں منتقل ہو سکا، نہ انگریزی میں۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں خواتین کے جو رسائل، گلدستے اور مجلّے لاہور سے لے کر بھوپال تک نکلتے رہے اور جن کے اثرات سے دیکھتے دیکھتے عورتوں میں افسانہ نگاری اور ناول نگاری کی ٹھوس طرحِ نو پیدا ہو گئی، اس کے نتائج بہت حیرت انگیز اور حوصلہ افزا رہے۔ رشیدۃ النسا اور رشید جہاں کے درمیان کم از کم پچیس ایسی خاتون فکشن نویس موجود ہیں جن کے ادبی سرمایے کو دیوناگری میں تلاش کریں تو ہمیں اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دے گا۔ ترجمے میں عدم باضابطگی کے نقصانات کیا ہوتے ہیں، اس کی مثال یہ ہے کہ ہندی قارئین کے پاس اردو کے خواتین کے ادب کا نقطۂ آغاز عصمت چغتائی یا ترقی پسند عہد کو سمجھنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں۔ اس وجہ سے اردو فکشن نگار خواتین کی کم از کم دو نسلیں ہندی قارئین سے پوشیدہ رہ گئیں۔ ہندی کا کوئی تجزیہ نگار کیسے اس ماحول کی درست عکاسی کر سکتا ہے جس میں عصمت چغتائی جیسی باغی عورت تصنیف و تالیف کے شعبے میں باضابطہ طور پر چلی آتی ہے۔ عصمت چغتائی سے پہلے لکھنے والی جن خواتین نے سماجی، تہذیبی، مذہبی اور ادبی سطح پر جدوجہد کی، وہ جماعت ہندی کے قارئین کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔

تقسیم ملک کے بعد حکومت وقت کا جبر، نئے سماجی و سیاسی حالات اور پیچیدہ لسانی صورت حال کے ملے جلے اسباب سے اردو خواں آبادی کی تعداد میں تنزل اور ہندی آبادی میں اضافے سے پہلی تبدیلی یہ ہوئی کہ ہندی زبان جاننے والوں کی تعداد بہت تیزی سے بڑھی۔ اتر پردیش اور ملک کے متعدد صوبوں میں نچلی سطح پر اردو تعلیم کے مواقع محدود تر کر دیے گئے یا ختم کر دیے گئے۔ اس سے روایتی اردو خواں آبادی میں سے ایک ایسا بڑا طبقہ سامنے آیا جس نے ہندی کو مادری زبان یا سرکاری زبان کے طور پر اپنا لیا۔ لیکن اپنی تہذیبی اور موروثی زبان یعنی اردو سے وہ پوری طور پر واقف نہ تھا۔ یہیں ترجمے کی ایک نئی کاروباری جہت واضح ہوئی اور اردو کے ہندی تراجم کی ضرورت اور نئی آبادی کی پہچان قائم ہوئی۔ ترجمہ جب بازار کی ضرورت بن جاتا ہے؛ تب ہی اس کے پھلنے پھولنے کے امکانات روشن ہوتے ہیں۔ اردو شاعری اور اس زمانے کے افسانہ نگار بالخصوص منٹو، بیدی، عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر جیسے فن کار ادبی منظر نامے اور ادبی بازار میں چھائے ہوئے تھے۔ انھیں سب پڑھنا چاہتے تھے اور صرف اردو رسم خط نہیں جاننے کی وجہ سے اتنی بڑی محرومی گزشتہ نسل کو قبول نہیں تھی، اس لیے کتابوں کے ہندی تراجم اور Transcriptions کا دور دورہ تھا۔

(باقی آئندہ)

سابق صدر شعبۂ اردو، کالج آف کامرس
کنکر باغ، پٹنہ 20،

خواتین فکشن نگار

(پہلی قسط)

اردو- ہندی تراجم کے آئینے میں

صفدر امام قادری

اردو آبادی اپنے آغاز سے کثیر لسانی ماحول کی پروردہ رہی ہے۔ ابتدا میں عربی، فارسی، ترکی اور اردو کی ملی جلی وراثت تھی جو عصرِ حاضر میں قدرے تبدیل شدہ شکل میں ہندی، انگریزی اور علاقائی زبانوں کے ساتھ اردو خواں آبادی کی میراث ہے۔ اس پر اضافہ یہ ہے کہ آج بھی اردو والوں میں ایک بڑا طبقہ ہے جس کا عربی اور فارسی زبانوں سے بہت حد تک رشتہ قائم ہے۔ کثیر لسانی معاشرے کو یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ ضرورت کے مطابق اظہار کے لیے نئے مواقع تلاش کر کے لسانی لین دین کا ایک نیا سلسلہ قائم کرلے۔ شاید یہی وجہ ہوگی کہ ہمارے بزرگوں نے ایک سے زیادہ زبانوں میں تخلیقی ادب کی پیش کش کو شعار بنایا اور تحریر و تقریر میں مختلف زبانوں کا حسب ضرورت استعمال کیا۔ ترجمے کی وہ پہلی شکل ہوتی ہے جب کوئی شاعر یا تخلیق کار خود دو یا دو سے زائد زبانوں میں بہ یک وقت اپنے جذبات کی پیش کش کرتا ہے۔ امیر خسرو، محمد قلی قطب شاہ، غالب، اقبال اور پریم چند کی سامنے کی مثالوں سے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ اردو آبادی کثیر لسانی تہذیب کے فیضان سے کسی عہد میں بھی غفلت کا شکار نہیں رہی۔ اپنی مادری زبان کے ساتھ ساتھ کلاسیکی اور اپنے عہد کی باوقار زبانوں کی ہم نشینی کی طاقت پر ہی اردو والوں نے قناعت نہیں کی بلکہ علاقائی اور نئی زبانوں اور بولیوں سے قربت اختیار کر کے ایک امتزاجی ماحول پیدا کرنے میں بھی کامیابی حاصل کی۔ اردو کے اسی مزاج نے شہلتے ہوئے وقت میں اسے زندگی بہ داماں بنائے رکھا۔

بلاشبہ ترجمے کا فن عہد جدید کی کاروباری ضرورتوں سے زیادہ پھلا پھولا اور اس کے دائرۂ کار میں اسی وجہ سے وسعت بھی آئی۔ ذاتی کوششوں کے علاوہ فورٹ ولیم کالج، دہلی کالج، علی گڑھ تحریک، انجمن پنجاب، دارالترجمہ اور نئی زمانہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی وغیرہ کی ایک فوری فہرست تیار کی جاسکتی ہے جہاں ادارہ جاتی طور پر تراجم کے لیے ایک مناسب ماحول قائم کیا گیا لیکن ان تمام اداروں کے ترجموں پر توجہ دیں تو معلوم ہوگا کہ اس فہرست سے ناول اور افسانے بالعموم غائب ہیں۔ فورٹ ولیم کالج کی شہرت تو داستانوں کے لیے رہی ہے لیکن وہاں بھی تراجم کے مرحلے میں تحقیقی اور علمی کتابوں پر زور زیادہ تھا۔ تراجم کے اس سرمائے میں اور ایک کمی کا احساس ہوتا ہے۔ معاشرے کی 'نصف بہتر' کی تحریروں کے ترجموں پر کسی نے کوئی توجہ ہی نہیں کی۔ نسوانی اظہار کی لسانی بوقلمونی کو ہمارے مترجمین نے لائق اعتنا ہی نہیں سمجھا۔ یہ بھی ایک علاحدہ مسئلہ ہے کہ خواتین کی ایک بڑی تعداد نے فکشن کو ہی ذریعۂ اظہار کیوں بنایا؟ اسی لیے عورتوں کے فکشن کے ضخیم سرمائے کے باوجود اردو اور ہندی زبانوں میں اس کی منتقلی کا کام آدھا ادھورا ہی ہوا ہے۔ ان تراجم میں نہ کوئی ترتیب ہے اور نہ کوئی ٹھوس معیار کا خیال رکھا گیا ہے۔

دونوں زبانوں میں تراجم کو توجہ سے دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرنا نامناسب نہیں کیوں کہ انفرادی کوششوں سے کوئی مجموعی سمت و رفتار طے نہیں کی جاسکتی۔ جب جس کے ہاتھ کوئی تخلیق لگ گئی، اس نے اس کا ترجمہ کرلیا۔ ان تراجم میں تخلیق کار یا تخلیقات کی کوئی درجہ بندی بھی نہیں ہے۔ ایک انتشار کا ماحول ہے جس سے نہ کسی قومی ضرورت کا تعین ہو پاتا ہے اور نہ یہ پتا چلتا ہے کہ کون سی چیزیں باقی رہ گئیں جنھیں اگلے مرحلے میں ترجمہ کرلینا چاہیے۔

اردو اور ہندی زبانوں میں باہمی ترجمے کا ایک بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ اس شعبے میں جاں سوزی کے ساتھ کام کرنے والے مترجمین بڑی تعداد میں سامنے نہیں آسکے۔ روسی زبان سے اردو میں ترجمہ کرنے کے لیے شہرت رکھنے والے ظ۔ انصاری اور اردو سے انگریزی یا انگریزی سے اردو ترجمہ کے ماہر محمد ذاکر (جامعہ ملیہ اسلامیہ) کی مثال پیش نظر رکھنے سے تقابلی طور پر موجودہ صورت حال کا جائزہ لیا جاسکے گا۔ ظ۔ انصاری نے پشکن، دستوئیفسکی، مارکس، اینگلس، لینن، اسٹالن اور روسی زبان کے دیگر ادیبوں اور مفکروں کی قدر اول کی تصنیفات کا نہ صرف یہ کہ ترجمہ کیا بلکہ روس کے تین عظیم مصنفین پشکن، دستوئیفسکی، بے خوف کی حیات و خدمات پر ایسے بھرپور مونوگراف شائع کیے جن سے اہل اردو کو روس کے ادبی منظرنامے کا کم و بیش صحیح طور پر اندازہ ہوجاتا ہے۔ محمد ذاکر نے تنہا 'باغ و بہار'، 'ابن الوقت'، 'نذیر احمد کی کہانی'، غالب، فیض اور ن۔ م۔ راشد کے معیاری انگریزی تراجم پیش کر کے انگریزی داں طبقے میں اردو کے اعلا ادب کو روشناس کرایا۔

اردو ہندی ترجمے بالخصوص فکشن کے ترجمے پر غور کریں تو یہاں کوئی اس انداز کا مکمل مترجم دکھائی نہیں دیتا۔ حالاں کہ اچھے خاصے تخلیق کار اس کثیر لسانی ماحول کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔ پریم چند، دیویندر ستیارتھی، راجندر ناتھ اشک، دیویندر اسر، جعفر رضا، غزال ضیغم، مشرف عالم ذوقی، سہیل وحید، خورشید اکرم، شوکل احمد وغیرہ جیسے نام ایک ادا سی کوشش میں یاد آجاتے ہیں جو ایک سے دوسری زبانوں میں ترجمے کا کام کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر تراجم ان کی اپنی تحریروں کے ہیں۔ یہاں ان کی تخلیق کار کی حیثیت بنیادی ہے۔ وہ کاروباری ضرورتوں کے سبب ترجمے کے ذریعے تو آگئے ہیں لیکن اس سے باضابطہ طور پر کوئی شکل سامنے نہیں آتی۔ پچھلے بیس برسوں سے حیدر جعفری سید ہندی سے اردو ترجمے میں پیشہ ورانہ خدمات انجام دے رہے ہیں لیکن ان کے ذریعے ترجمہ شدہ سرمایے میں نہ کوئی سلسلۂ خیال ہے، نہ ادبی درجہ بندی اور نہ مجموعی سرمائے کے احتساب کا خیال۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ اس کے سبب ان کے کام کا کوئی بھرپور تاثر اب تک قائم نہیں ہوسکا۔

یہاں اردو فکشن کے ہندی ترجمے کی کوئی فہرست سازی مقصود نہیں لیکن ایک نگاہ میں یہ بات قابل غور ہے کہ یہ سلسلہ کہیں نہ کہیں 'رانی کیتکی کی کہانی' سے شروع ہوتا ہے۔ یہ بحث علاحدہ ہے کہ انشاء اللہ خاں انشا کی نظر میں 'ہندوی' لفظ کا کیا مفہوم تھا لیکن اردو کے اصحاب قلم کی جو ابتدائی کتابیں دیوناگری میں تبدیل ہو کر سامنے آگئیں، ان میں 'رانی کیتکی کی کہانی' کی اہمیت مسلم ہے۔ 1915 سے پریم چند کے ذاتی ہندی تراجم کا دور شروع ہوتا ہے۔ ہندی تراجم کی رفتار واقعتاً آزادی کے بعد ذرا تیز ہوتی ہے۔ اس کا فائدہ ترقی پسندوں کو سب سے پہلے پہنچا۔ لیکن زبان کی منتقلی کا یہ کام اچانک 1980 کے بعد تیز تر ہوتا نظر آتا ہے۔ یہ زمانہ طباعت، اشاعت اور ترسیل عامہ کی بے پناہ ترقی اور وسعت سے پہچانا جاتا ہے۔ جدید وسائل کے استعمال سے ہندوستان کا ہندی پریس اسی زمانے میں نئی بلندیاں چھوتا ہے اور اچھے خاصے پیشہ ورانہ نقطۂ نظر سے پورے ملک میں ہندی کے پبلشر بازار کی سوجھ بوجھ کے ساتھ میدان میں نئی کاروباری کامیابیوں کے ساتھ سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں۔

اردو سے ہندی فکشن کے ترجمے میں اگر خواتین کی شرکت کا گوشوارہ تیار کیا جائے تو کوئی حوصلہ افزا صورت حال سامنے نہیں آتی۔ عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر تک اگر فہرست محدود کردیں تو ذرا مناسب حال معلوم ہوتا

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

مدیر: اطہر فاروقی
Editor: Ather Farouqui
شریک مدیر: محمد عارف خاں
Joint Edito: Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر: عبدالباری
Printer, Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ: ثمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
Printed at: Samar Offset Printing Press, Delhi
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲-راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
Proprietor: ANJUMAN TARAQQI URDU (HIND)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue, New Delhi-110002
قیمت (فی شمارہ): تین روپے، سالانہ: ۱۲۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکی ڈالر)
Subscription: (Per Issue): Rs. 3/-, Yearly: 125/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org Phones: 23237212, 23237214